حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنو

صاحب قرآن اور قرآن

یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی، یورپ پر قرونِ وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا، جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کرکے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا، ہندوستان پورانک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا، یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی، اور دوسری طرف بھگوان کے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا، حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا، وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے، جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں۔ کم و بیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہ روی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا، جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقامِ اتصال پر واقع تھا، اور اسی لیے پرانے زمانے میں اُسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا، یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا، تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہ بہ تہ چھائے ہوئے تھے، ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، اُن کے لیے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی، شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا، پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کے زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا، اور یہ گویا اُس کا حق تھا۔

اخلاق و روحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی، جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھا لیتے تھے۔

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلۂ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا ـــــ یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا، یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا، اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا، عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا، اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہوگیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا تھا، جس کے معنیٰ ہیں، وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانہ میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لیے آپ بھی اُمّی یعنی نوشت و خواند سے بالکل ناآشنا رہے ـــــ لیکن فطرت کی سلامتی اور رُوح کی پاکیزگی جو خدا کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔

جب سن شعور کو پہنچے تو کسب معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابوطالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے، تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لیے انتخاب کیا، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ کی امانت و دیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہوگئی، اور آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا، جس نے آپ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا، اس نے آپ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا، اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں، جن کا اپنا کاروبار بھی تھا، اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحبِ فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، اُن سے بھی آپؐ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا ـــــ وہ اگرچہ صاحبِ اولاد تھیں، اور اُن کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی، اور آپؐ کی عمر ابھی صرف پچیس سال ہی کی تھی، اس کے باوجود انہوں نے آپؐ سے نکاح ہوگیا

اس نکاح کے بعد آپ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت، خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورت مندوں کی امداد و اعانت اور علاقہ میں امن و امان کی

فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے ـــــ زندگی اسی طرح چل رہی تھی، اور آپ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غربا نوازی اور خدمتِ خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپؐ کو حاصل تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپؐ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی، دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ گھر سے اور آبادی سے دور، سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعا و مناجات کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کریں ـــــ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے، جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غارِ حرا کے نام سے معروف ہے، آپ ایک ہفتہ کے لیے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے، اور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے، ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے، اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے

اگرچہ اس وقت خدا کی ذات و صفات کی وہ معرفت آپؐ کو حاصل نہیں تھی، جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی، اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی، لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت، و محبت اور اس کی رضا جوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہیئے، وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خدا کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے، یہ سلسلہ کئی مہینہ اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپؐ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا، لیکن آپؐ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے ـــــ یہ عالم بالا کے ساتھ آپؐ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ غارِ حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے، آپ غارِ حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے، اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی، آپ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا "مجھے موٹے کپڑے اڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو (زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ کے دریافت کرنے پر، غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا، اور آپؐ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپؐ نے بیان کیا،

اور بتلایا کہ میری یہ حالت اُس کے اثر سے ہے ـــــ خدیجہ جو بڑی صاحبِ فراست خاتون تھیں انہوں نے پہلے تو خود آپؐ کو تسلی دی کہ آپ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندے کے ساتھ اُس کا خدا جو کچھ کرے گا، وہ بہتر ہی ہوگا، اس کے بعد وہ آپؐ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو بہت بوڑھے تھے، آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے، انہوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کے نصرانیت اختیار کر لی تھی، وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے، انہوں نے غارِ حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمہارے پاس جو فرشتہ آیا تھا، یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس خدا کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تم کو منصبِ نبوت پر فائز کیا ہے، اور پیغمبری کا کارِ عظیم تمہیں سپرد کیا جائے گا اور سُن لو تمہاری قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلا وطن کر دے گی، پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کہ کاش میں اُس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمہارا ساتھ دے سکتا!

بس یہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت کا آغاز ہوا۔

آپؐ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادمِ خلق تھے، لیکن خاموشی پسند تھے اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی، لیکن آپؐ نے اس میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی، نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقرر بن کے کھڑے ہوئے، کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریکیت اور ہنگامہ خیزی کا آپ سے ظہور نہیں ہوا، حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بداخلاقی و بے راہ روی کی اصلاح کے لیے بھی آپؐ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا، وحی و رسالت، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپؐ سے کچھ نہیں سنا گیا، اگلے پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپؐ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، سیاسیات و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات کے بارے میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپؐ نے کوئی رہنمائی نہیں دی، الغرض چالیس سال کی عمر تک آپؐ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا، اور کسی نے کوئی ایسی بات آپؐ سے نہیں سنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپؐ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غارِ حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپؐ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا، گویا آپؐ کے قالب میں ایک دوسری روح آ گئی، اور آپ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے اب آپؐ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپؐ نے کہا کہ مجھے خدا نے وحی و الہام سے نوازا ہے، اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے، جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، اسحاقؑ و

یعقوبؑ اور پھر موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو سپرد کی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمھارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے، صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے میری تمھاری اور سب کی موت و حیات اُسی کے قبضہ میں ہے، ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے، اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے، اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے، اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے، اِس لیے صرف ایک خدا کی عبادت کرو جو معبودِ برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ، اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو! یہ حکم میرے لیے بھی ہے اور تم سب کے لیے بھی!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو یہ بھی بتایا اور اُن کے دلوں میں اس کا یقین اُتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ہمیشہ نہیں رہے گی، جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کر کے مر جاتا ہے، اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت خدا کے حکم سے فنا کر دی جائے گی، وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا، اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا، یہ آخرت کا عالم ہوگا، جس میں سب کو اپنے کیے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی، جنھوں نے دنیا میں خدا کو اور خدا کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہوگی، ان پر خدا کی رحمت ہوگی، اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی، اور اس کے برعکس جنھوں نے اس دنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی، وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا، اور اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوم کو خرید و فروخت، تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی خدا کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔

کھانے پینے کے بارے میں بھی آپؐ نے بتایا کہ یہ چیزیں خدا نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں، پھر آپؐ

نے ان باتوں کو صرف بتا کے اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہو گیا، اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپؐ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی، دن رات اسی کی فکر اور جد وجہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لیے اپنے خدا سے دعائیں کرتے۔

اس راستہ میں آپؐ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں، آپؐ کا اور آپؐ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائی کاٹ کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی، لیکن آپؐ نے اپنی دعوت اور جد وجہد میں کوئی کمی نہیں کی، مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپؐ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم وبیش صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ایک دو دو کر کے آپؐ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپؐ کی دعوت کو قبول کرتے رہے۔ اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے، تقریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپؐ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دین حق کی دعوت اور بندگانِ خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت وجد وجہد کا مرکز بنا لیا، یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور خدا کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپؐ کے پیروؤں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب وغریب قسم کا حکومتی نظم ونسق بھی قائم ہو گیا ـــــ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدہ دار نہیں تھا، اور سب تھے، یعنی حسب ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے، اور آپؐ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا صرف اللہ کی رضا اور ثواب کے لیے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب ولقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمّی حضرت محمد رصلی اللہ علیہ وسلم) تھے دنیا کو عملی طور سے دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصدِ حکومت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پا سکتے ہیں ـــــ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لیے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں، اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جا سکتا ہے، مخالف طاقتوں سے

معاہدے بھی ہوتے، صلحیں بھی ہوئیں، اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو دکھا دیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور اُن کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دنیا میں رہے، اور اتنی تھوڑی مدّت میں قریب قریب پورا ملک عرب آپؐ کے لیے مسخر ہوگیا اور آبادی کے بہت بڑے حصّہ نے آپؐ کی دعوت وہدایت کو قبول کرلیا ہزار ہا ہزار وہ آدمی جو پہلے خدا سے ناآشنا تھے، آخرت اور جزا سزا کے تصوّر سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں گزاری تھی، وہ آپ کے فیضِ صحبت اور تعلیم وتربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے ـــــ افراد ہی انہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہوگئی جس کی مثال چشم فلک نے نہ اُن سے پہلے دیکھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں ـــــ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کرلیا جائے تو قریباً قریباً بیس۲۰ یا بیس۲۲ سال میں ـــــ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ ہوگیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف ب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے مہذب اور دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں ملی تھی، اس کی زندگی میں چالیس۴۰ سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا نہ خطیب، نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی، رسالوں، اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا ـــــ تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعہ کیسے ہوگیا؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں، پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں ـــــ میں خدا کی ذات وصفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں بیان کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ وجنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں، اور جو کچھ بھی تعلیم وتلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم وفکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمہارے خدا کی طرف سے ہے، اس نے مجھے تمہاری ہدایت وخدمت کے لیے آلۂ کار اور وسیلہ بنالیا ہے ـــــ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا، جو اس تعلیم وہدایت کا سرچشمہ تھا، اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی، اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز ـــــ اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے، اور اس لیے اس کو "جادو" کہتے تھے ـــــ لیکن

وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے، اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ میرے لیے بھی اُس کا ہدایت نامہ اور حکم نامہ ہے، اور تمھارے لیے اور ساری دنیا کے لیے بھی ـــــ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے، اور اس میں غور و فکر کر کے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کر سکتا ہے کہ ـــــ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس میں صفاتِ الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ یقیناً معرفت کا آخری نقطہ ہے، جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم و فکر سے بہت آگے کی چیز ہے ـــــ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لیے بالکل کافی ہیں، اُن کے بارے میں ہرگز نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی اُمّی اور بالکل ناتعلیم یافتہ انسان کے فہم و فکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے رسول ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ سے)

(۳۵) ۔ یہ احادیث مبارکہ کتب حدیث میں کثرت سے مروی ہیں۔ ادعیہ کی کتب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ انہیں مسلمان اپنی دعاؤں میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں' نیز رافعی نے اپنی کتاب وراستہ القرآن والحدیث میں ان احادیث کو بطور ضرب المثال پیش کیا ہے۔

(۳۶) ۔ الترمذی' امام ابو عیسیٰ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر بیروت' دار الفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۷) ۔ رافعی' مصطفےٰ صادق' اعجاز القرآن ص ۴۳ طبع مصر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء۔

(۳۸) ۔ الترمذی' امام ابو عیسیٰ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۴۹ بیروت دار الفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۹) ۔ الجاحظ' البیان والتبیین ص ۱۰۷۔

(۴۰) ۔ الترمذی' امام ابو عیسیٰ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۴۹' بیروت' دار الفکر ۱۹۸۰ء۔